Al-Qirtas القرطاس
Vol. 4 No.1 (2025)
http: https://al-qirtas.com/index.php/Al-Qirtas
E(ISSN): 2709-6076
P(ISSN): 2709-6068

A Brief Analysis of Modern Representative Voices of Urdu Short Story

اردو افسانے کی جدید نمائندہ آوازیں: ایک مختصر تجزیہ

Dr. Uzma Noreen
Lecturer, GC Women University Sialkot
Dr.Parveen Kallu*
Associate Professor Urdu Department Government College University Faisalabad,Corresponding Author *Email:* drparveenkallu@gcuf.edu.pk
Dr. Muhammad Rahman
Assistant Professor Urdu Department Hazara University, Mansehra

Citation: Dr. Uzma Noreen, Dr.Parveen Kallu, Dr. Muhammad Rahman (2025). A Brief Analysis of Modern Representative Voices of Urdu Short Story , Al-Qirtas, 4(1). Retrieved from https://al-qirtas.com/index.php/Al-Qirtas/article/view/374

Abstract:

In every period of Urdu short story, two angles of view have been accepted and popular. One of them is the bearer of the terrestrial trend and under it the fiction writer has seen the phenomena of life very closely. Thus, the roughness of the phenomena has first come under the grasp of his consciousness. This view is like a form of examining the environment and its characters with the help of a microscope and it can easily be called SHORT RANGE VIEW. The second angle of view is the advocate of the imaginative trend and under its influence the fiction writer has cast a fleeting glance at the surroundings from the height of imagination and thus his eyes have not concentrated and stopped at any particular place or point but have gone on to cover the whole. This view is a form of examining the environment with the help of a telescope and if it is called LONG RANGE VIEW then the matter becomes clear. Both these ways of seeing were prevalent at the very beginning of Urdu short story, but in the earlier period the imaginative tendency was relatively stronger and the reason for this was that Urdu fiction was associated with the tradition of storytelling, in which the flight of imagination was of utmost importance. Of course, ignoring everyday life was not the creed of the storyteller, and this was because he himself was a man of flesh and blood and could not deny the phenomena of the environment, which were scattered all around him and were affecting his consciousness every moment. However, since hundreds of years of renunciation and dervish tendencies had fostered the tendency to withdraw from earthly phenomena at the higher level, he was forced to follow this trend. This era contains some new writers e.g Ghayas Ahmad Gudi, Qazi Abdul Sattar, Abid Sohail, Iqbal Majeed, Iqbal Mateen, Jailani Bano, Zameer ud deen Ahmad, Joganderpal, Ram Ammal, Ruten Singh, Kalam Haideri, Anwar Azeem, Qaiser Tamkeen, Ahmed Yousaf and Aoni Saeed as well.

Key Words: *Modern Short story, phenomena of life, SHORT RANGE VIEW, LONG RANGE VIEW, Ghayas Ahmad Gudi, Qazi Abdul Sattar, Abid Sohail, Iqbal Majeed, Iqbal Mateen, Jailani Bano, Zameer ud deen Ahmad, Joganderpal, Ram Ammal, Ruten Singh, Kalam Haideri, Anwar Azeem, Qaiser Tamkeen,Ahmed Yousaf, Aoni Saeed.*

Al-Qirtas القرطاس
Vol. 4 No.1 (2025)
http: https://al-qirtas.com/index.php/Al-Qirtas
E(ISSN): 2709-6076
P(ISSN): 2709-6068

۱۹۵۵ءاور اس کے بعد کا زمانہ ہر چند کہ ٹی کہانی سے آغاز وارتقا کا زمانہ ہے مگر اس دور میں بعض ایسے افسانہ نگار بھی ابھرے جنھوں نے کہانی کی بنیادی خصوصیات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے نئے تجربے کئے۔اس رجحان کے ماننے والے افسانہ نگار ترقی پسند تحریک کی روایت کو نئے احساس وانداز سے پیش کر رہے تھے ان لوگوں نے فارم اور تکینک میں کوئی بڑی تبدیلی تو نہیں کی مگر پریم چند اور منٹو کی روایت کی توسیع میں نمایاں حصہ لیا ہے ان کو صرف روایتی افسانہ نہ کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ان افسانہ نگاروں نے کہانی پن کا خیال رکھتے ہوئے علامتوں کا استعمال کیا۔انھوں نے ابہام، تجرید پیچیدگی سے بچ کر روایت کا دامن بھی تھامے رکھا اور فرسودہ روایات سے دامن کش ہو کر جدید محسوسات کو افسانے کا موضوع بنایا ان کے یہاں انسان کی داخلی کیفیات کا اظہار بھی ہوتا ہے اور سماجی حقیقت نگاری بھی۔

ان افسانہ نگاروں نے بیانیہ اسلوب میں نئے موضوعات پر کہانیاں لکھیں۔ان کی کہانیاں بیانیہ ہوتے ہوئے بھی اتنی واضح نہیں ہوتیں کہ ایک مطالعے میں پوری طرح گرفت میں آجائیں بلکہ قاری سے غور وفکر کا مطالبہ کرتی ہیں ان میں نہ بیانیہ اکہرا ہوتا ہے اور نہ ہی کردار۔عام طور پر افسانہ نگار اپنے تمام کرداروں کے ساتھ INVOLVE ہونے کی کوشش کرتا ہے ان میں جزئیات نگاری اور فضا سازی نو فنکارانہ طور پر برتا جاتا ہے واضح رہے کہ ان فنکاروں کے یہاں ترسیل اور ابلاغ کا مسئلہ اس طرح پریشان نہیں کرتا جیسا کہ علامتی و تجریدی افسانہ نگاروں کے یہاں ہوتا ہے ان افسانہ نگاروں ے۔یہاں انسانہ سے صنفی لوازم کا خصوصی التزام دیکھنے کو ملتا ہے اس رجحان کی نمائندہ کی غیاث احمد گری قاضی عبدالستار، عابد سہیل، رام لعل، جوگندر پال، رتن سنگھ، احمد یوسف، جیلانی بانو اقبال مجید اقبال متین ضمیر الدین احمد اور غلام حیدری وغیرہ کر رہے تھے جو کہ ان افسانہ نگاروں کا تعلق عبداللہ حسین کے معاصر بن میں ہے اس لئے ان کا قدرے اختصار سے جائزہ لیا جائے گا تاکہ اس دور کی مجموعی صورتحال سامنے آجائے۔

غیاث احمد گدی کا نام اردو افسانے کی دنیا میں خاصا معروف ہے ان کے تین افسانوی مجموعے ''بابا لوگ''، '' پرندہ پکڑنے والی تاڑی''اور '' سارا دن دھوپ'' منظر عام پر آچکے ہیں۔ان کے فن کا آغاز روایتی افسانے سے ہوا لیکن بعد میں انھوں نے کامیاب علامتی کہا یہاں بھی لکھیں غیاث احمد گری بنیادی طور پر انسان دوستی کے علمبردار ہیں اس لئے ان کے افسانوں میں عام طور پر مثبت رویہ کارفرما ہوتا ہے۔غیاث احمد گری نے ابتدا میں نچلے متوسط طبقے کی ناکامی، نامرادی، بے کسی اونا آسودگی کو موضوع بنایا خاص طور پر اینگلو انڈین عیسائیوں کی طرز معاشرت کی فنکارانہ عکاسی کی بابا لوگ ،خانے تہہ خانے افعی پہیہ، امام باڑے کی اینٹ، اور دیمک سے ان کی شناخت قائم ہوئی انھوں نے اپنی کہانیوں میں بیانیہ کی طاقت کو آزمایا اور بیری کی کہانیوں کی طرح ان میں گہرائی پیدا کرنے کی کوشش کی یہی وجہ ہے کہ پروفیسر عتیق اللہ کو غیاث احمد گری کی فنی تدبیر کاری سے قریب تر معلوم ہوتی ہے:

Al-Qirtas القرطاس
Vol. 4 No.1 (2025)
http: https://al-qirtas.com/index.php/Al-Qirtas
E(ISSN): 2709-6076
P(ISSN): 2709-6068

''غیاث احمد گدی کا فن بیدی سے متاثر ہے... بیدی اور گدی دونوں ہیں نفسیاتی بصیرت سے کام لیتے ہیں صرف فرق اتنا ہے کہ بیدی اعمال و حرکات کے ذریعے کرداروں کی نفسیاتی شناخت کراتے ہیں جب کہ گدی بے حد سادگی کے ساتھ کرداروں کی نفسیاتی توضیحات کرتے جاتے ہیں ۔(۱)''

افعی اور پہیہ ان کی ایسی کہانیاں ہیں جو ان کی تمام کہانیوں سے الگ ہیں اور ان میں وہ منٹو سے قریب تر ہو گئے ہیں ان کے یہاں منٹو ہی کی طرح کردار پر خاص توجہ ملتی ہے ان کہانیوں کے علاوہ غیاث احمد گری نے تج دو تج دو اور پرندہ پکڑنے والی گاڑی جیسی کا جناب علامتی کہانیاں لکھیں۔

قاضی عبدالستار بحیثیت ناول نگار معروف ہیں مگر انھوں نے اپنی چند کہانیوں سے افسانے کی دنیا میں خاصا اعتبار حاصل کیا۔ قاضی عبدالستار اگر ترقی پسند ادیب ہیں تو وہ پہلے اور آخری افسانہ نگار ہیں جنہوں نے اپنی تخلیقات میں سماج کے اس طبقے کو اپنا موضوع بنایا ہے، جسے ترقی پسند شروع ہی سے نظر انداز کرتے رہے ان کے انسانوں کا محور مٹتا ہوا جاگیر دارانہ نظام ہے انھوں نے جاگیر دارانہ معاشرے سے وابستہ صالح اقدار و روایات کی پاسداری کی ہے اس ضمن میں پیتل کا گھنٹہ ، قابل ذکر ہے رضو باجی، جنگل، ماڈل ٹاؤن سوچ اور کھا تھا ان کی قابل ذکر کہانیاں ہیں۔ قاضی عبدالستار نے ہیئت کے تجربے نہ کرنے کے باوجود افسانے کو تخلیقی زبان بخشی ہے مثال کے طور پر یہ اقتباس ملاحظہ ہو :

''چاند منبر پر بیٹھا آسمان کے ستاروں اور امام باڑے کے چراغوں کو اپنا مرثیہ سنا رہا تھا (۲)''

''دلی میں تو لوگ آنکھوں سے پہچان لیتے ہیں لیکن زبان سے اجنبی بن جاتے ہیں۔ غزالہ کے ساتھ اس کی ماں کے سر کا پہاڑ اور اعجاز صاحب کے دل کا بوجھ بھی کوٹھی سے نکل کر ڈولی میں بیٹھ جائے گا۔(۳)''

عابد سہیل کا شمار روایتی افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ان کا افسانوی مجموعہ سب سے چھوٹا غم (۱۹۷۶) میں شائع ہوا جس میں شامل افسانے ان کے فن پر قدرت کے ضامن ہیں وہ انسانی زندگی کے باریک پہلوؤں، چھوٹے چھوٹے اور نازک احساسات لو کہانی میں ڈھال دینے کا کر بخوبی جانتے ہیں عابد سہیل نے سوا نیزہ پر سورج اور روح میں لپٹی ہوئی آگ میں فسادات کو انوکھے انداز میں پیش کیا ہے، لیکن عابد سہیل کی شناخت سب سے چھوٹا غم، نوحہ گر، وہ ایک لمحہ اور میں اور میں سے قائم ہوئی۔ان کہانیوں میں عابد سہیل نے رشتوں کی نزاکت، تہہ داری اور احساسات کی باریکی کو بڑے نرم اور دھیمے لہجے میں پیش کیا ہے عابد سہیل نے افسانے کی روایت سے بھی بغاوت نہیں کیا ان کے یہاں پلاٹ، کردار، وحدت تاثر، کہانی کی فضا اور قاری تک پہنچانے کے لیے کوئی نہ کوئی بات ضرور ہوتی ہے۔

اقبال مجید روایت اور جدت کے توازن کی مثال ہیں۔ وہ تجریدی کہانی اور فارمولا زدہ کہانی دونوں کو ناپسند کرتے ہیں اور کہانی کو نازک احساسات و جذبات کی ترسیل کا وسیلہ سمجھتے ہیں۔

Al-Qirtas القرطاس
Vol. 4 No.1 (2025)
http: https://al-qirtas.com/index.php/Al-Qirtas
E(ISSN): 2709-6076
P(ISSN): 2709-6068

اقبال مجید کی شناخت دو پھیلے ہوئے لوگ، پوشاک، مدافعت اور پیٹ کا کیچوا سے ہوئی۔ اقبال مجید نے نئ سوچ اور پرانی سوچ کے درمیان کشمکش، جداگانہ نصب العین کو فنکارانہ انداز میں دو بھٹکے ہوئے لوگ، بیساکھیاں اور پیٹ کا کیچوا، میں پیش کیا ہے۔ اقبال مجید بے حد حساس اور ذہین فنکار ہیں ان کے یہاں تبدیلی تیز رفتاری کے ساتھ نہیں ہوتی بلکہ وہ افسانے کے روایتی تصویر کو مجروح کئے بغیر اس میں نئ جہتیں تلاش کر لیتے ہیں۔ پوشاک، مدافعت، اور جنگل کٹ رہے ہیں، ہائی وے پر ایک درخت، اور ایک حلفیہ بیان جیسی کہانیوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی گرفت جدید زندگی اور اس کے مسائل پر کتنی سخت ہے۔

اقبال متین ایک ٹھہرے ہوئے اور منجھلے ہوئے انداز کے افسانہ نگار ہیں وہ دردناک کہانی کو بھی نزاکت اور لطافت کے ساتھ پیش کرتے ہیں وہ اپنے افسانوں کی ابتدا بڑی سادگی کے ساتھ کرتے ہیں لیکن یہ سادگی اسوقت فنکاری میں بدل جاتی ہے جب قاری ان کے مختلف کرداروں اور ان کی پیچید کیوں سے دوچار ہوتا ہے۔ جدید تہذیبی سیاق وسباق میں رشتوں کے مسائل اور ان میں جذباتی و معاشی محرکات، قدروں کی ٹوٹ پھوٹ ان کے افسانوں کی واقعیت میں شامل ہیں ان کی شناخت، گریو یارڈ، نچا ہوا البم، لکڑی کا آدمی پر چھائیں، آگہی، ویرانے اور بیر بہوٹی سے قائم ہوئی۔

خواتین افسانہ نگاروں میں جیلانی بانو کسی تعارف کی محتاج نہیں ان کے اب تک چار افسانوی مجموعے روشنی کا مینار، نروان، پرایا گھر، اور روز کا قصہ شائع ہو چکے ہیں۔ جیلانی بانو نے اپنے افسانوں میں حیدر آباد کے لوگوں کی سماجی و تہذہ ہی زندگی کو پس منظر کے طور پر پیش کیا ہے۔ جیلانی بانو نے عورتوں کے استحصال کے خلاف قلم سے جہاد کیا اور وہ عورتوں کو ترقی کی شاہراہوں پر گامزن دیکھنا چاہتی ہیں۔ عورتوں کی مجبوری، نامرادی اور استحصال پر مبنی کہانیوں میں ستی ساوتری، دیوداسی، ڈریم لینڈ، آئینہ، کا شمار کیا جاسکتا ہے

لیکن جس کہانی کو جیلانی بانو کی شناخت کے طور پر پیش کیا جاتا ہے وہ موم کی مریم ہے یہ متوسط طبقے کے مسلم گھرانے کی ایک لڑکی PROBLEM CHILD کی نفسیاتی کہانی ہے اس لڑکی کے داخلی کرب اور اس کی نفسیاتی پیچیدگیوں کو جیلانی بانو بڑے تخلیقی رچاؤ کے ساتھ پیش کیا ہے۔

اس رجہان کے ایک اہم افسانہ نگار ضمیر الدین احمد ہیں ان کو ہماری تنقید نے فراموش کر دیا تھا لیکن سوغات نے ان پر بھرپور گوشہ شائع کر کے ان کو نئ زندگی عطا کی۔ انھوں نے شکست خودی کے موضوع پر بے توکفن، پہلی موت جیسی طاقتور کہانیاں لکھ کر یہ ثابت کر دیا کہ طاقتور بیانیہ کے ذریعے ایسی کہانیاں لکھی جاسکتی ہیں جو تجریدیت اور معمہ پسندی سے دور ہوں۔ سلامتی اضافہ اناوں نے تشدد اور اہمیت کو جن کہانوں میں موضوع بنایا ہے۔

ان میں عام طور پر تجریدی انداز اختیار کیا ہے لیکن ضمیر الدین احمد نے، انسان اور حیوان، پاتال اور ٹھہرا دریا جیسی بیانیہ کہانیاں لکھ کر یہ ثابت کر دیا کہ بیانیہ اسلوب میں بھی ان موضوعات پر کہانیاں لکھی جاسکتی ہیں لیکن جن کہانیوں کے ذریعے ضمیر الدین احمد کی شناخت قائم ہوئی وہ تشنہ فریاد، سوکھے

Al-Qirtas القرطاس
Vol. 4 No.1 (2025)
http: https://al-qirtas.com/index.php/Al-Qirtas
E(ISSN): 2709-6076
P(ISSN): 2709-6068

ساون کچھ سے چلی پروا ہیں۔ان کہانیوں میں عورت کی نفسیاتی جزباتی اور جنسی زندگی کو جنسی فنکاری سے پیش کیا ہے کسی اور افسانہ نگار نے نہیں ضمیر الدین احمد کو واقعات کی ترتیب، ڈرامائی تصادمات میں جذبات پر گرفت اور نفسیاتی باریکیوں کو پیش کرنے پر جیسی قدرت حاصل ہے وہ کم افسانہ نگاروں کو ہے پروفیسر شمیم حنفی نے بجاطور پر خیر الدین احمد کی تعریف کی ہے۔

> ''ضمیر الدین احمد کی کہانیوں کی معنویت بیک وقت کئی سطحوں پر اپنے آپ کو نمایاں کرتی ہیں۔ نفسیاتی حقیقت نگاری کے وہ آداب جن سے ہماری روایت کا تعارف منٹو اور بیدی نے کرایا تھا ان کہانیوں میں جوں کی توں دہرائے نہیں گئے یہاں ان آداب کی توسیع بھی ہوئی ہے۔(۴)''

جوگندر پال کے اب تک سات افسانوی مجموعے منظر عام پر آچکے ہیں۔ دھرتی کا لال، میں کیوں سوچوں، رسائی، مٹی کا ادراک، لیکن بے محاورہ اور بے ارادہ۔ جوگندر پال روایتی اور جدید اسلوب کے امتزاج سے کہانی کے تانے بانے بنتے ہیں ان کا فن خود کلامی کا فن ہے اس لئے ان کے بیانیے میں خود کلامی کا عنصر شامل ہوتا ہے ان کے یہاں واقعات خط پر نہیں چلتے۔ جوگندر پال چودہ برس تک افریقہ میں رہے لہذا اپنے پہلے افسانوں مجموعے دھرتی کا لال میں انھوں نے ہند نشراد لوگوں کی زندگی اور ان کے مسائل کو موضوع بنایا ہے۔

جوگندر پال کا فن ارتقائی ہے ان کی افسانہ نگاری کے ہر دور میں خصوصاً آخری دور میں ان کے فن میں شعوری یا غیر شعوری طور پر ناہاں اور خوشگوار تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ جوگندبال کسی اور اپنی فلسفہ کا قیدی بن کر میں رہ جانا پسند نہیں کرتے۔ یہی سبب ہے کہ وجودیت ان کے افسانوں کا بنیادی رجحان ہونے کے باوجود کلی رجحان نہیں ہے، مقامات باز دید بستیاں دریاؤں پیاسی، بے محاورہ کا یا کپٹ بے گور اور نازائیدہ وغیرہ جیسی کہانیوں میں انسانی و سماجی رشتوں کی شکست در پخت، تنہائی اور بے معنویت کو پیش کیا ہے۔

جوگندر پال نے اپنے افسانوں میں اساطیر، تمثیلیں حکایت وغیرہ کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کر کے پیش کیا ہے اس ضمن میں، رامائن، ان کی مشہور کہانی ہے جس میں عمری زندگی کے گھناونے پن، منافقت، سیاسی و سماجی جبر کو رام اور سیتا اور راون کے اساطیری واقعات کے ذریعے پیش کی گئی ہے ان کی بیشتر کہانیوں میں طنزیہ صورتحال ملتی ہے اور ان میں واحد متکلم کا توانا کردار ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جوگندر پال اپنے ہر کردار میں خود کو (Nvolve کرنا چاہتے ہیں چنانچہ اپنے افسانوی گندر پال مجموعہ کھلا کے پس منظر میں لکھتے ہیں:

> ''اپنی یہ کہانیاں مجھ پر اس طرح بیتی ہیں کہ اپنے ان کرداروں پر مجھے اپنے آپ کا بھی گمان ہوتا ہے اور مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں نہیں رہوں گا تو کیا؟ یہ سارے لوگ تو رہ جائیں گے زندگی کا جوہر تو وہی اک ہے۔(۵)''

Al-Qirtas القرطاس
Vol. 4 No.1 (2025)
http: https://al-qirtas.com/index.php/Al-Qirtas
E(ISSN): 2709-6076
P(ISSN): 2709-6068

رام امل ایک بسیار نویسی افسانہ نگار ہیں ان کا تخلیقی سفر نصف صدی کو محیط ہے۔اس طویل عرصے میں ان کے کئی افسانوی مجموعے آئینہ، انٹی دھرتی پرانے گیت، قلی گلی، آواز تو پہچانو، چراغوں کا سفر، انتظار کے قیدی کل کی باتیں، اکھڑے ہوئے لوگ، گزرتے لمحوں کی چاپ، ڈوبتا ابھرتا آدمی شائع ہوئے۔

رام لعل کی سب سے بڑی خوبی ان کی آدمیوں سے دلچسپی ہے وہ ہر طبقہ کے آدمی میں بطور خاص دلچسپی بنتے ہیں اور ہر آدمی کی زندگی ان کے لئے دلچسپ مواد فراہم کر سکتی ہے وہ ہر واقعہ، موضوع اور تھیم کو بہانی میں ڈھالنے کی قدرت رکھتے ہیں۔یہی سبب ہے کہ ان کی کہانیاں پس منظر، کردار اور پلاٹ و تکینک کے اعتبار سے متنوع ہیں۔عورت کی نفسیات داخلی کش مکش کی پیش کش کے لئے رام لیل کا فن بند کی اور پریم چند سے ملتا جلتا ہے۔ریکارڈ کیپر روشنی اور سائے، بھیڑ اور بھیڑ روشنی کے آنچل میں جدید انسان کے گوناگوں مسائل، منافقت، ریاکاری اور تنہائی کو موضوع بنایا ہے لیکن جدید زندگی اور اس کے مسائل کی پیش کش کے سلسلے میں جو کہانیاں رام لعل کی پہچان کا وسیلہ نہیں وہ تماشاء اور چاپ میں جدید زندگی کی بے معنویت اور انتشار کو موضوع بناتے ہیں موخر ان کی کہانی جوہر کہانی کے کسی بھی سخت سے سخت انتخاب میں جگہ پانے کا استحقاق رکھتی ہے وارث علوی نے اسے کافکا سے متاثر کہانی قرار دیا ہے۔

رتن سنگھ مختصر نگاری کے فن کار ہیں ان کے متعدد افسانوی مجموعے پہلی آواز، کاٹھ کا تھوڑا اور پنجرے کا آدمی شائع ہو چکے ہیں۔ان کے کردار بھولے بھالے اور معصوم ہوتے ہیں ان کی کہانیوں میں ابہام اور پیچیدگی نہیں ہوتی وہ چھوٹے چھوٹے تاثرات کو کم سے کم لفظوں میں افسانے کے قالب میں ڈھال دینے کا فن جانتے ہیں وہ نہایت سادگی سے روایتی اور جدید موضوعات کو پیش کرنے پر قدرت رکھتے ہیں تقسیم سے المیہ سے متعلق پناہ گاہ اور ساتھ جنم کا کا خاص طور پر ذکر کیا جاتا ہے۔

لیکن جن کہانیوں کے ذریعے ان کی پہچان بنی وہ جس تن لاگے، ہزاروں سال لمبی رات، ساتواں آسمان، کاٹھ کا تھوڑا، ڈوری ڈری ہوا اور پنجرے کا آدمی میں رتن سنگھ کا خاص امتیاز ہے کہ انھوں نے کہانی کو سننے اور سنانے کے فن سے قریب کیا۔رتن سنگھ صاف ستھری زبان لکھتے ہیں ان کا اسلوب سادہ ہے۔ان کی کہانیاں ایک طرف روایت سے جڑی ہوتی ہیں لیکن دوسری سطح پر علامتی معنویت کی حامل ہوتی ہیں اس ضمن میں ڈوری ڈری ہوا، سوکھی ٹہنیوں میں اٹکا سورج اپنی علامتی معنویت کی وجہ سے رتن سنگھ کے شاہکار میں شمار کی جاتی ہے۔

کلام حیدری کا تخلیقی سفر چالیس برس کو محیط ہے اس دوران ان کی کہانیوں کے تین مجموعے شائع ہوئے بے نام گلیاں، صفر، اور الف لام میم کے کلام چندری قدرے پرانے افسانہ نگار ہیں صغرۃ لیکن انھوں نے اپنے فن کو تہہ دار اسلوب اور استعاراتی انداز سے مزین کیا وہ نہ ماضی سے رشتہ توڑتے ہیں اور نہ حال سے برگشتہ ہیں۔کلام حیدری نے خود کو کسی خاص موضوع اور ہیئت تک محدود نہیں رکھا بلکہ انھوں نے مختلف موضوعات پر افسانے لکھے اور ہیئت کے تجربے کئے؟ شعوری رو داخلی خود کلمی اور واحد متکلم کردار سے انھوں نے خوب کام لیا۔

کلام حیدری نے تقسیم کے المیہ اور فسادات پر کئی افسانے لکھے اس ضمن میں بازو کیوں گئے کہانی سنو گے کافی مشہور ہوئے۔

Al-Qirtas القرطاس
Vol. 4 No.1 (2025)
http: https://al-qirtas.com/index.php/Al-Qirtas
E(ISSN): 2709-6076
P(ISSN): 2709-6068

کلام حیدری نے جدید زندگی اور اس کے مسائل پر بھی کہانیاں لکھی ہیں اس طرح کی کہانیوں میں بیانیہ اسلوب کے علاوہ علامت تجرید اور تمثیلی انداز سے خوب کام لیا ہے انھوں نے وجودیت کے اثرات بھی قبول کئے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ پروفیسر وہاب اشرفی نے کلام چندری کے فکر کی طرف پلوں اشارہ کیا ہے؟

"بغاوت کا جو رجحان وجودیوں کے یہاں ملتا ہے وہ حیرت انگیز طور پر کلام حیدری کی افتاد طبع ہے۔(٦)"

ان افسانہ نگاروں کے علاوہ انور عظیم، قیصر تمکین، احمد یوسف، عونی سعید وغیرہ نے بھی اس روایت کی ترقی اور فروغ میں اہم رول ادا کیا ہے۔یہاں اس بات کا اعترافہ ضروری معلوم ہے کہ یہاں منٹو، بیدی، کرشن چندر، عصمت چغتائی، احمد ندیم قاسمی ممتاز مفتی اور حسن عسکری وغیرہ کا ذکر اس لئے نہیں لیا گیا کہ یہ فنکار اس سے ماقبل کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں بلاشبہ ان فنکاروں نے ایک بڑا تخلیقی سرمایہ چھوڑا ہے۔

حوالہ جات

۱۔پروفیسر عتیق اللہ، اردو افسان، سمت ورفتار، قدر شناسی ادارہ اشاعت اردو، دہلی، ص ۸۱

۲۔کھا کھا از قاضی عبدالستار، انتخاب میں نئی کہانیاں مرتب علی احمد کاظمی، ص ۱۰۳

۳۔ قاضی عبدالستار، ماڈل ٹاؤن، ضیاء ۱۹۹۱ مدیر محمد شمیم، ص ۸۸

۴۔پروفیسر شمیم حنفی شعور (چھٹی کتاب موسم سرما ۱۹۸۸) ص ۳

۵۔ڈاکٹر قمر رئیس، جوگندر پال کا فنی اسلوب، آجکل نئی دہلی ص ۲۸

٦۔پروفیسر وہاب اشرفی، آہنگ، جولائی اگست ۱۹۷۵ء ص ۵